معاشرتی مسائل

فہرست مضامین

معاشرتی مسائل	488
عظیم قربانی اور چند قابل غور نکات	489
فطرت سے بغاوت	492
ہمارا ایک بڑا معاشرتی مسئلہ	495
ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے؟	499
حقوق وفرائض، عوام اور حکمرانی	503
خون پھر خون ہے	506
مصلحت، بے غیرتی نہیں	510

☆......☆......☆

عظیم قربانی اور چند قابلِ غور نکات

الحمدللہ! کہ اللہ تعالیٰ اور خاتم النبیین ﷺ کے احکامات کی تعمیل کا ایک اہم تاریخی فرض کی ادائیگی کا موقع مسلمانانِ عالم پر ایک دفعہ پھر آچکا ہے۔ ذی الحجہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں مسلمانان عالم اطراف عالم سے اللہ تعالیٰ کے گھر کعبۂ معظم میں اللہ کے مہمان بنتے ہیں۔

اگر ہم فلسفۂ حج پر غور کریں اور اس کو اس کے صحیح تناظر میں ادا کرنا شروع کریں تو مسلمانوں کے بہت سارے مسائل اس فرض کی دائیگی کے ذریعے ہوسکتے ہیں۔ ۹ ذی الحجہ سے لے کر ۱۳ ذی الحجہ تک ایک ہی مقام ایک ہی لباس اور ایک ہی زبان میں مختلف اقوام، نسلوں، علاقوں کے مسلمان ایک اللہ کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ کیا یہ اس بات کے لئے کافی وشافی دلیل اور ثبوت نہیں ہے کہ ہم سب ایک ہیں۔ ہمارا نفع ونقصان ایک ہے اور اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے تو پھر کیا دو مسلمان آپس میں اس حد تک اختلاف کرسکتے ہیں کہ وہ دوسرے کی جان کے درپے ہوجائیں۔

کیا یہ فریضہ ہمیں یہ سبق نہیں دیتا کہ ایک جگہ کے مسلمان اگر تکلیف ومصیبت میں ہونگے تو دوسری جگہ کے مسلمان بھی آرام سے نہیں رہ سکتے۔ تب ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ ہم ضرورت اور محتاجی کے وقت اپنے وسائل آپس میں مشترک کرکے استعمال کریں۔ امیر ممالک غریب ممالک اور امیر افراد غربا کی مدد کریں۔

بہرحال حج کا یہ فلسفہ تو جاری رہے گا کہ مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے ایک دوسرے کے کی مدد کے پابند ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ ہم اس عظیم تاریخی موقع پر جس شخصیت کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے قربانی دیتے ہیں وہ اس وقت بھی تین اہم اور بڑے ادیان ومذاہب کے درمیان برابر قابلِ احترام ہے اور ہر مذہب کے پیروکاران کی پیروکاری کا دعوی کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام یقیناً وہ شخصیت ہیں جو یہودیت، عیسائیت اور اہلِ اسلام کے عقیدت مندوں کے لئے مرکزِ عقیدت ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج ان ہی کے پیروکاروں کے درمیان سب سے زیادہ اختلافات ہیں۔ کیا مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان اختلافات وتصادم کو روکنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم شخصیت اور تعلیمات سے استفادہ کرکے انسانی بنیادوں پر مسلمانوں کے ساتھ کم از کم زیادتی کرنا

ترک کردیں۔

اس کے علاوہ گزشتہ چند برسوں سے ہمارے ہاں بعض اخبارات کے ذریعے قربانی کے حوالے سے یہ باتیں کہی جارہی ہیں کہ عیدالاضحیٰ کے دن اتنے سارے جانور ذبح کرنا قومی معیشت پر اثر انداز ہونے کے علاوہ اسراف کے ذیل میں بھی آتا ہے۔

اتنی زیادہ قربانیوں کے بدلے اگر اسلامی دنیا کے محتاجوں اور غریبوں کے لئے کوئی رفاہی منصوبے جاری کئے جائیں تو اس سے بہت زیادہ معاشرتی تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔

یہ بات ہمارے ہاں ترقی پسندوں اور مستشرقین کے ذریعے بعض مسلمانوں کے ذریعے پھیلانے کی کوشش ہوتی رہی ہیں۔ پچھلے سال ''روزنامہ ڈان'' میں اس حوالے سے بہت طویل مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا تھا کہ اگر ان قربانیوں پر خرچ ہونے والی رقم سے ایسے پراجیکٹ شروع کئے جائیں جو ہماری غریب عوام کی غربت کم کرنے میں مددگار ثابت ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

اس حوالے سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن صاحبِ نصاب عاقل بالغ مسلمان پر اللہ کی راہ میں جانور کی قربانی پیش کرنا واجب ہے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق اس دن اگر کروڑوں روپے بھی خرچ کر دے تب بھی وہ ثواب نہیں مل سکتا جو جانوری کی قربانی سے ملتا ہے۔

اگر یہی فارمولا قربانی کے لئے قبول کیا جائے کہ اس قربانی کی رقم سے بہت سارے رفاہی کام انجام دیئے جاسکتے ہیں تو کل کلاں پھر یہ نام نہاد اجتہاد دیگر اعمال وعبادات کے حوالے سے بھی سامنے آسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ، ٹیکس اور خراج میں فرق ہے۔ ٹیکس کبھی زکوٰۃ کی جگہ نہیں لے سکتا۔ لہٰذا اس قسم کے اجتہادات کو یہیں پہ رک جانا چاہئے۔

قومی اور ملی بچتوں اور غریب عوام کے لئے خیر و بھلائی کے منصوبوں کے لئے اور بہت سے طریقے سوچ اور آزمائے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ہم تمباکو نوشی، پان خوری، شادی بیاہ کے مواقع پر اسراف وفضول خرچی روک کر بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اسلامی عبادات کو اس قسم کے افکار سے محفوظ رکھنا ہی دین اسلام کا تقاضا ہے۔

ایک اور اہم بات قربانی کے ایام کے حوالے سے ہمارے معاشرے کے لئے یہ مدِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لئے یہ قربانی ہم پر واجب کی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا سب کچھ اللہ تعالیٰ کا دیا

ہے اور اصل مالک بھی وہی ہے۔ وہ جب اور جیسے چاہے ہم سے اپنا دیا ہوا مال اور جان واپس لے لے۔ اللہ کے دین کی حفاظت اور احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہم مسلمان ہر سال قربانی کی یہ ریہرسل اس لئے کرتے ہیں کہ

جان دی، دی ہوئی اس کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایام قربانی میں اس بات کو یاد رکھنا بہت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر کتنا بڑا فضل واحسان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرمانبردار فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی کو قبول فرما کر ان کی جان کے بدلے جانور [دنبے] کی قربانی قبول کر کے مسلمانوں کے لئے قبول فرمائی۔ کیا ہم تصور کر سکتے ہیں کہ اگر اسماعیل علیہ السلام ذبح ہو جاتے تو ہم سنت ابراہیمی کی تقلید میں اپنی اپنی اولاد کی قربانی کے امتحان سے گزرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس عظیم ابتلاء وامتحان سے اس عظیم قربانی کے ذریعے بچالیا۔ لہٰذا ان ایام میں اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کے لئے اللہ کے ان بندوں کے ساتھ احسان وتعاون کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہئے۔

اس کے علاوہ ان مبارک ایام میں غریبوں، محتاجوں اور بے کسوں کا خیال رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ قربانی کے گوشت کو فریجوں اور فریزروں میں سنبھال کر رکھنا قطعاً ناپسندیدہ ہے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ آپ کے اڑوس پڑوس میں ایسے لوگ موجود ہوں جن کو سال بھر میں اپنے محدود بلکہ نہ ہونے کے برابر مالی وسائل کی وجہ سے گوشت کا ذائقہ چکھنا نصیب نہ ہوا ہو۔

علاوہ ازیں قربانی دینے والے افراد کو اس بات کا خیال رکھنا لازمی طور پر رکھنا چاہئے کہ قربانی کے باقیات کے ذریعے ہمارا ماحول جو پہلے ہی کوئی قابل ستائش نہیں، مزید بدبودار اور مکدر نہ بنایا جائے۔ اگر ہم سب یہ تہیہ وارادہ کر لیں کہ ہم نے قربانی کے باقیات کو ٹھکانے لگا کر ہی گھر جانا ہے اور گھروں میں دیئے گئے قربانیوں کا کوئی حصہ گلیوں اور نالیوں میں نہیں پھینکنا کہ مہینوں اس سے بدبو آتی رہے۔

☆......☆......☆

فطرت سے بغاوت

اللہ تعالیٰ نے کائنات اور انسان کو فطرت پر پیدا کیا ہے اور فطرت اسلام ہے۔ جو لوگ فطرت کے اصول و قوانین کے خلاف ورزی کرتے ہیں وہ فطرت کی دستبرد سے چھوٹ نہیں سکتے۔ یہ بات اہل نظر سے پوشیدہ نہیں کہ فطرت اور زمانے کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ دہریوں (Ethiests) کا عقیدہ ہے کہ کائنات میں تبدیلی اور چال پھیر زمانے کی چال کے باعث ہوتی ہے۔ اِس لئے لوگوں پر جب ایّام کے ہاتھوں جو اصل میں فطرت یعنی اللہ کے حکم عذاب اور مشکلات و مصائب کا نزول ہوتا ہے تو نادان لوگ زمانے کو کوستے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق زمانے کو بُرا بھلا کہنا منع ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ "زمانے کو بُرا مت کہو کہ زمانہ خود خدا ہے۔" انسان پر جو بھی برا وقت آتا ہے وہ اُس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب آتا ہے۔ اسلامی عقائد میں ایک بنیادی چیز یہ بھی ہے کہ "و القدر خیرہ و شرّہ من اللہ تعالیٰ" یعنی انسان کو خیر و شر اللہ کی طرف سے پہنچتا ہے لیکن ہم بحیثیت مسلمان خیر و بھلائی کو اللہ تعالیٰ کی عطا ماننے اور برائی اور شر کو مکافاتِ عمل سمجھنے کے پابند ہیں۔

انسان کو ہمیشہ شر اور بُرائی اُس وقت پہنچتی ہے جب وہ فطرت سے بغاوت کرتا ہے۔ انسانی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انفرادی یا اجتماعی طور پر جب بھی انسان نے فطرت سے بغاوت کی ہے، اُس کا وبال مختلف صورتوں میں انسان پر نازل ہوا ہے۔

فطرت عدل و انصاف پر قائم ہے، فطرت اسلام ہے۔ کائنات و ما فیہا فطرت کے مطابق تخلیق کی گئی ہے۔ اِس لئے اِس میں ہر ایک چیز متوازن اور متناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ " کائنات کو بار بار دیکھو، کیا اِس میں کمی بیشی ہے، یقیناً نہیں ہے، لیکن انسان اپنے عارضی، عاجلانہ اور خود غرضی، لالچ اور نفسانی خواہشات پر مبنی خواہشات کی تکمیل کیلئے شارٹ کٹ کے طور پر فطرت سے بغاوت کا ارتکاب کرتا ہے اور اُس کا نتیجہ بنی نوع انسان اور دیگر جانداروں کیلئے مشکلات و مصائب کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

آپ ذرا تصور کیجئے کہ جب امریکہ نے ایٹم، ہائیڈروجن، نیوٹرون، ڈیزی کٹر، نیپام، فاسفورس اور نا معلوم کون کون سے دیگر تباہ کن بم، کیمکل ہتھیار اور آتش و آہن ایجاد نہیں کئے تھے، تو دُنیا کتنی محفوظ، خوبصورت،

سادہ اور خطرناک آلودگی سے محفوظ تھی۔ جب امریکہ نے لٹل بوائے اور فٹ مین نامی بم جاپان پر استعمال کئے تو دُنیا کے دیگر ممالک نے ڈر اور خوف کے مارے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کیلئے اِسی قسم کے بم بنانے شروع کئے۔ ہتھیاروں کی اِس دوڑ میں دُنیا کے مختلف ممالک کے درمیان خون ریز جنگیں ہوئیں جو فطرت کے خلاف تھا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل و ہوش سے نواز کر ساری مخلوقات پر شرف عطا کیا تا کہ دُنیا میں فطرت کے ہم آہنگ ہو کر پرامن و پرسکون زندگی گزار کر جنت کی پرسکون زندگی میں حیات ابدی حاصل کر لے۔ لیکن انسان نے فطرت سے بغاوت کر کے کائنات کا حلیہ تبدیل کر کے رکھ دیا، جنگی صنعت اور کارخانوں نے انسان کی ضروریات کا رخ تبدیل کر لیا جس کا نتیجہ کائنات بھر میں مادی اور روحانی آلودگی کی صورت میں نکلا۔

آج حال یہ ہے کہ حضرت انسان صاف پانی، ہوا اور خالص خوراک کیلئے ترس رہا ہے۔ گلوبل وارمنگ کے نتیجے میں بنی نوع انسان کو جس تباہی کا سامنا ہے اُس کا احساس تو اُسے ہو چکا ہے اور اُس کیلئے طاقتور ممالک کمزور ممالک کا ہاتھ مروڑ کر بادلِ نخواستہ کچھ اقدامات بھی کروا رہے ہیں لیکن خود وہ بنیادی اقدامات اُٹھانے کا سوچ بھی نہیں رکھتے جس سے انسانیت سکھ کا سانس لے سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اِس وقت دُنیا میں ہر جگہ حضرت انسان شدید مشکلات سے دوچار ہے۔

میں کائنات میں انسان کے اپنے ہاتھوں برپا فساد [فطرت سے بغاوت] پر گہرے غور و فکر کے مراحل سے گزرتا ہوں تو بعض اوقات یہ چیز بہت واضح ہو کر میرے سامنے آتی ہے کہ قیامت بھی انسان اپنے ہاتھوں سے قریب لائیگا۔ قرآن و حدیث میں قیامت کی جتنی علامت اور نشانیاں بیان ہوئی ہیں اُن میں سے تقریباً نوے [۹۰] فیصد پوری ہو چکی ہیں اور یہ سب اسباب و علاماتِ قیامت انسان کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔

انسان نے جب بھی فطرت سے بغاوت کی ہے اُس کی سزا اُسے ضرور ملی ہے۔ فطرت سے بغاوت اللہ تعالیٰ کے احکامات سے بغاوت پر مبنی ہوتی ہے اور جب بھی ایسا ہوتا ہے تو اُس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اقوامِ عالم کی بغاوتوں کے حوالے سے قرآن کریم میں بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے ریکارڈ کرایا ہے۔

قومِ نوح، قومِ صالح اور قوم لوط و قوم ھاد اور اِس طرح دیگر اقوام کی داستان آج بھی قرآن کریم کے صفحات میں مطالعہ کی جا سکتی ہے۔

قوم صالح اور قوم لوط کے بارے میں اُن کی فطرت سے بغاوت کے سبب ایک دھما کہ ہوا اور اُس کے ساتھ

ایسا سخت زلزلہ آیا جس نے آن کی آن میں پوری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو ہر طرف گلی ہوئی لاشیں پڑی تھیں۔ اِس طرح جب لوط علیہ السلام اللہ کے حکم سے رات کے پچھلے پہر اپنے بال بچوں کو لے کر نکل گئے تو صبح پھٹتے ہی یکا یک ایک زوردار دھما کا ہوا اور ایک ہولناک زلزلے نے آن کی بستیوں کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔

اِس کالم کے معروضات کا سبب یہ خبر بنی کہ بھارت میں دہلی کے ہائیکورٹ نے ہم جنس پرستی کو بنیادی انسانی حقوق اور انسانی آزادی کے ذیل میں جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ بھارت ہندو ہونے کے باوجود مشرقی روایات کا دعویدار اور علمبردار ملک ہے لیکن شاید امریکہ کے تتبع اور خدمت گزاری میں وہ اتنا آگے چلا گیا ہے کہ ھندومت کی تعلیمات تو ایک طرف رہیں، مشرقی اقدار کو پائمال کرتا چلا گیا۔

بھارت تو کبھی مشرقی روایات میں اتنا آگے تھا کہ پتی [خاوند] کے مرنے کے بعد پتنی [بیوی] وفا کا پیکر اور دیوی بن کر چِتا میں زندہ جل جاتی تھی [اگر چہ اسلام میں اِس کی گنجائش نہیں] اِسی طرح ہم جنس پرستی تقریباً سارے مذاھب میں ممنوع ہے، جس میں ھندومت بھی شامل ہے۔ ہم جنس پرستی نہ صرف فطرت سے بغاوت ہے بلکہ دُنیا کے سارے صاحب شعور و عقل لوگوں کے ہاں صفائی و نظافت کے خلاف اور انسانیت کے مقام سے گرا ہوا کام ہے۔ اِس قسم کے کام تو درندوں اور حیوانوں کے ہاں بھی ناپید ہیں۔

اگر چہ مغرب نے انسانی حقوق کے نام پر اچھی قانون سازی بھی کی ہے اور اُس کے تحت بڑے اچھے اور انسانیت کیلئے بہت مفید کام سر انجام دئے جاتے ہیں لیکن اقوال و اعمال اور تحریر و تقریر کی آزادی کے حق کو اُنہوں نے بہت بُری طرح استعمال کرنا شروع کیا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ انسان نے جب بھی انسانیت کی کم سے کم شرائط پوری کرنے سے انکار کیا ہے وہ ایک ایسی بے راہ روی کا شکار ہوا ہے جس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جن مغضوب اقوام کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے وہ سب زندگی کے معاملات کے حوالے سے بے اعتدالی اور افراط و تفریط کے شکار ہو کر فنا کے گھاٹ اُتری ہیں۔

گناہ کا اصدار و ارتکاب انفرادی و اجتماعی طور پر انسان سے ممکن ہوتا ہے۔ انفرادی گناہوں کو اللہ تعالیٰ جب چاہے معاف کر لیتا ہے لیکن گناہوں کو باقاعدہ قانون سازی کر کے جائز قرار دینے کو اجتماعی گناہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اجتماعی گناہوں کو معاف نہیں کرتا۔ ایسی قوموں پر عذاب الٰہی کا نزول لازم ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

ہمارا ایک بڑا معاشرتی مسئلہ

مجھے صوبہ خیبر پختونخوا کا کوئی ایسا گاؤں یا علاقہ بتایا یا دکھایا جاسکتا ہے جہاں کوئی نشئی نہ ہو ایک پورے گاؤں کے معاشرتی اقدار پر برے اثرات مرتب کرنے کے لئے ایک نشئی کافی ہوتا ہے، وہ گھرانہ، والدین اور اڑوس پڑوس جہاں نشئی ہوتا ہے، بری طرح متاثر رہتے ہیں، صوبہ سرحد کی دیہات میں عموماً چرس کا نشہ استعمال کیا جاتا ہے اور عام طور پر چند ایک نشئی مل کر گپ شپ کے انداز میں بڑی بڑی باتیں کرتے ہوئے دنیا کے غموں سے بے نیاز ہو کر چرس کے مرغولے اڑاتے ہیں۔

آج سے چند دہائیاں پہلے اخلاقی اقدار کے زور پر نشیوں کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ حجروں میں یا آبادی کے قریب کہیں نشے کا استعمال کرتے، لیکن 9/11 کے بعد تو حالت یہاں تک پہنچی ہے کہ یار لوگ کھلم کھلا آبادیوں، حجروں، گاڑیوں میں اور پشاور یونیورسٹی کے گیٹ کے باہر چار دیواری کی دیوار کے ساتھ ہی نشئی چرس نہیں بلکہ ہیروئن پاؤڈر اپنی چادروں کا تنبو بنا کر نوش جان کرتے ہیں اور پولیس پاس سے ایسے گزر رہی ہوتی ہے جیسے جانتے نہیں پہچانتے نہیں۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں یہ ہماری بڑی بدقسمتی کہی جاسکتی ہے کہ چرس وغیرہ کے استعمال کو بہت کم لوگ عیب، بیماری یا گناہ میں شمار کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر چرس کے نشے کو ملنگی نشہ کہہ کر قابل عیب ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اس پر مستزاد ہمارے ہاں رائج بعض گانے اس کو سہ آتشہ کر لیتے ہیں، اور اکثر نشئی اس قسم کے گانوں کو سنتے ہوئے نشے کا ''لطف'' زہر مار کرتے ہیں۔ ماضی قریب میں پشتو کا یہ گانا تو مقبول عام تھا:

د بنګو بوټیه خمار نیا کړ غم نه اوزګار مې

[اے بھنگ کی بوٹی مجھے خمار کر اور دنیا کے غم سے مجھے فارغ کر]

اسلام میں نشہ اس لئے حرام ہے کہ نشہ کرنے کے بعد انسان میں نیک و بد، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے دل میں راسخ ہونے کے علاوہ کوئی نسخہ نشہ چھوڑنے میں سو فیصد کارگر نہیں ہوسکتا۔ نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب لوگ شراب کا نشہ کرتے تھے اور اس شان سے کرتے تھے کہ گھروں میں شراب کے مٹکے بھرے ہوتے تھے۔ اسلام کی عبادات اعمال اور معاشرتی ساخت میں نشہ کی کوئی گنجائش نہ ہونے کی بناء پر عربوں کو

بتدریج نشے کے مضرّات سے خبردار کیا گیا اور آخر میں نبی ﷺ نے تین مبارک الفاظ میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے نشہ آور چیزوں سے منع فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا "کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ" "تمام نشہ آور چیزیں حرام ہیں" یہ ایک ایسی جامع تعلیم ہے کہ قیامت تک وہ ساری چیزیں جو بطور نشہ استعمال ہو سکتی ہیں حرام قرار دی گئی ہیں۔ پھر فرمایا کہ ہر وہ نشہ آور چیز جس کی زیادہ مقدار حرام ہے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے"۔

ہمارے ہاں بعض لوگ چرس کے نشے کے حوالے سے سوال اٹھاتے ہیں کہ اس سے نہ ہمارے حواس مختل ہوتے ہیں نہ ہمیں کوئی اور خرابی پیش آتی ہے بلکہ اس نشہ کے ذریعے ہماری قوت کار بڑھ جاتی ہے۔ یہ سب فضول اور کہنے کی باتیں ہیں۔ نشہ انسان کو صحت اور پیسے کے اسراف کے علاوہ آہستہ آہستہ مالی طور پر محتاج بنانے کے ساتھ ساتھ بے غیرت اور دیوث بنا دیتا ہے اور اسلام میں اس کی ممانعت کی اصل حکمت یہی ہے۔ ہم لوگوں نے تو چونکہ اسلام کو ایک موروثی قسم کی روایت اور تہذیب کا حصہ سمجھ کا پایا ہے اور اس کے علاوہ علم نہ ہونے کی بناء پر اسلام کی انقلابی اور خودداری وغیرت پر مبنی نظامِ معاشرت سے ناواقف ہونے اور کوئی اسلامی فلاحی معاشرہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی معجزنما تعلیمات کا عملی مظاہر دیکھنے سے محروم ہیں اس لئے اسلام میں جائز وناجائز اشیاء کی حکمت واسرار سے بے خبر ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں ہر فرد معاشرے کے لئے بہت اہم ہے۔ لہٰذا ہر فرد کی تعلیم وتربیت اور خودی وغیرت کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ اس لئے نشہ آور اشیاء کا استعمال، گداگری، چوری اور ہر وہ کام جس سے انسان کی خودی مجروح ہوتی ہو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں تو مغربی پروپیگنڈے کے تحت انسان یعنی آبادی بہت زیادہ ہے لہٰذا کچھ لوگ اگر نشہ کے ہاتھوں عضو معطل بھی بن گئے اور کچھ لوگ اگر بغیر پائلٹ طیاروں کے بموں کا نشانہ بھی بن گئے، تو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن اسلامی تعلیمات میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں تو بقول اقبال:

؎ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا معاشرہ پٹڑی سے اتر چکا ہے اور اس کو دوبارہ سوئے قطار لانے کے لئے بہت بڑے حدی خوانوں کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ کام جن کا کرنا ابھی ناممکنات میں شمار نہیں ہوا اور معاشرے پر اس کے بہت خوشگوار اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، نہ کرنا بہت نادانی اور وطن کی فکر نہ کرنے میں شمار ہے، وہ ہے

منشیات کی لعنت کو جڑ سے اکاڑ پھینکنا۔ اگر جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اس وقت ممکن نہیں ہے۔ اگر چہ ایسا ہونا نہیں چاہئے تو کم از کم اتنا تو کیا جاسکتا ہے کہ پولیس اور دیگر لاء انفورسمنٹ ایجنسیوں کے ذریعے کسی کو سرِ راہ نشہ کرنے یا نشہ میں دھت ہوکر اول فول بکنے کے مواقع تو ختم کئے جائیں۔ کارخانوں بازار سے انڈسٹریل سٹیٹ کی طرف جاتے ہوئے میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس کالے سیاہ بھجنگ لوگ جس غیر انسانی انداز میں سرِ راہ ہیروئن کا نشہ کرتے ہوئے راہگیروں کے لئے جس طرح ایک عبرت انگیز تماشا بنے ہوئے ہیں، اور جس طرح سرِ عام انسانیت کی تذلیل کا سامان بنتے ہیں تو اسلامی تعلیمات کا رُخِ تاباں سامنے آتا ہے کہ اسلام میں نشہ آور اشیاء کا استعمال اس لئے منع کیا گیا ہے تاکہ انسانیت پستی کی آخری حدوں میں گرنے سے محفوظ رہے۔

منشیات کے عادی ان ننگ دھڑنگ لوگوں کو دیکھ کر مجھے حکومتی بے حسی پر رونا تو آتا ہی ہے لیکن زیادہ افسوس ان NGO's پر ہوتا ہے جو اپنے مخصوص مقاصد کو دل میں چھپا کر ظاہری طور پر انسانیت کی خدمت کے لبادے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں، کیا پاکستان میں ہزاروں کی تعداد میں موجود NGO's مل کر ضلعی سطح پر ایک ایسا ادارہ قائم نہیں کر سکتے جہاں اس قسم کے لوگوں کو بسا کر کچھ دارو دوا اور صفائی ستھرائی کے ذریعے کم از کم معاشرے کے نوجوان نسل کو ان مناظر سے محفوظ رکھنے میں مدگار ثابت ہوں۔ اگر ان کا علاج ممکن نہیں تو پھر بھی ان کے لئے ایک ایسی جگہ کی ضرورت ہے جہاں یہ گرمی سردی سے محفوظ رہ کر لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہوں تاکہ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑنے کے مصداق دوسرے لوگ اس طرف مائل نہ ہوں اور ساتھ ہی ہم بحیثیت قوم اس ملامت سے تو محفوظ رہ سکیں کہ پوری قوم کے سامنے انسانیت خاک وخون اور نشہ ورسوائی میں میں رلتی رہی اور کسی کے کان پر جوں رینگنے کی نوبت بھی نہ آسکی۔

اگر ہمارے یہ NGO's ضلع سطح پر ایک ایک ایسا ادارہ (Rehabilation) بنانے میں کامیاب ہوئے تو یہ اتنا بڑا معاشرتی فلاح کا کام ہوگا کہ اس کے ذریعے دیہاتوں میں ان گھرانوں کا عذاب ختم ہوگا جہاں اس قسم کے نشئ لوگ موجود ہیں۔ نشئ لوگوں کا آزادی کے ساتھ پھرنے سے بہت سارے معاشرتی خرابیوں کے جنم لینے کے امکانات موجود رہنے کے علاوہ نشہ کے جراثیم نئ نسل میں پھیلتے رہتے ہیں جو ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ تحصیل اور ضلع کی سطح پر پولیس اور NGO's کے ذریعے ان لوگوں

پر ہاتھ ڈالا جائے جو قوم کی نوجوان نسل کو نشہ فراہم کر کے قوم کی رگوں میں زہر اتارنے کا کاروبار سجائے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں لیکن اس کے لئے عام روٹین کے S.H.O کی بجائے پڑھے لکھے نوجوان PCS کے ذریعے بھرتی ہوئے کمیٹڈ نوجوان پولیس افسروں کی ضرورت ہوگی۔ نشے کے چھوٹے چھوٹے اڈوں پر ہاتھ ڈالنے سے بہت سی بھلائی کی راہیں خود بخود کھلتی چلی جائیں گی اور معاشرے کی خیر وفلاح کے لئے لوگ سامنے آئیں گے۔ ان شاء اللہ۔

☆......☆......☆

ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے؟

میرے خیال میں اس وقت بہت کم پاکستانی ایسے ہونگے جو وطنِ عزیز میں جاری حالات کے بارے میں فکرمند نہ ہوں۔ رکشہ ڈرائیور سے لے کر دفتر کے چپڑاسی تک، کھیت کھلیان میں پسینے میں شرابور زمیندار سے لے کر کارخانوں کے صنعتکاروں تک، طالب علم سے لے کر استاد تک عام شہری سے لے کر چیف آف آرمی سٹاف تک، الغرض ہر پاکستانی اپنی اپنی بساط توفیق اور ذہنی سطح وصلاحیت کے مطابق وطن عزیز کے مسائل، ان کا حل اور حال اور مستقبل کی صورت حال کے بارے میں سوچ و بچار میں غلطاں اور پریشان رہتا ہے۔

چونکہ ہر ملک کی جامعات میں پروفیسر صاحبان کی صورت میں ملک کی بہترین دانش موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا ملک کے مسائل پر بحث و تمحیص ان کا خاص مشغلہ ہونے کے ساتھ ساتھ نظریاتی محافظ کی بہترین حیثیت میں ایک خاص ذمہ داری بھی ان کے کاندھوں پر پڑی رہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملکی اور عالمی رسائل و جرائد، ذرائع ابلاغ اور تحقیقی مواد کے مطالعے کی بناء پر بعض پروفیسر صاحبان جس دردمندی کے ساتھ آج کی ملکی صورت حال پر مکالمہ کی صورت میں تبادلہ خیال کرتے ہیں وہ نکات اس کے قابل ہیں کہ مقتدر طبقات کے علم میں لایا جائے۔

امریکہ اور مغربی معاشروں کی ایک خوش قسمتی یہ بھی ہے کہ وہاں کی جامعات میں تعلیم و تحقیق کی آزادی کے ساتھ پروفیسر صاحبان کو غور و فکر اور اپنے خیالات و افکار کے اظہار کی آزادی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ملک کے اہم مسائل کے بارے حکومتِ وقت کی رہنمائی کے لئے تھینک ٹینکس کی صورت میں پروفیسرز اور دانشوروں کی ٹیمیں مل کر کام کرتی ہیں۔ اس کام میں بعض اوقات حکومت وقت کے فیصلوں اور اقدامات کے خلاف تحقیق اور منطق کی بنیاد پر اختلاف بھی کیا جاتا ہے اور عموماً حکومتیں ان تھینک ٹینکس کے افراد کی نہ صرف مالی مراعات کے ذریعے ان کی ضروریات پورا کرتی ہیں بلکہ ان کی آراء کے مطابق اپنی پالیسیاں بناتی اور تبدیل بھی کرتی ہیں۔

ہمارے ہاں بدقسمتی یہ ہے کہ جامعات کے پروفیسر صاحبان کو ملازمِ حکومت کے کھاتے میں ڈال کر ان پر اظہار رائے کی ایسی پابندی لگائی گئی ہے کہ وہ بے چارے کسی ایسی بات اور فکر کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے جو

ملک وقوم کے لئے تو مفید ہو لیکن حکومتِ وقت کے مزاجِ نازک پر گراں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں وطنِ عزیز پر چاروں طرف سے بلاؤں کے نزول کے آثار کے باوجود قوم کے ذہین، حساس اور سمجھدار افراد انفرادی طور پر ٹھنڈی آہیں کھینچتے اور کڑھتے ضرور ہیں لیکن حکومتِ وقت کو کوئی مفید تجویز اس بناء پر پیش نہیں کر سکتے کہ مبادا طبعٔ نازک برہم نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں مقتدر طبقات چونکہ دانشوران قوم کی آراء کو مناسب توجہ نہیں دیتے اس لئے ناقدریٔ عالم کی وجہ سے دانشوران ملت کی ہمت افزائی نہیں ہوتی۔

بہرحال اس طولانی تمہید کے بعد عرض وحرفِ تمنا یہ ہے کہ اس سب کچھ کے باوجود کچھ سر پھرے پھر بھی وطنِ عزیز کے مسائل کے حوالے سے سوچنے اور آپس میں تبادلۂ خیالات کے ذریعے اپنے دردمند و محزون دلوں کو دلاسا دینے سے باز نہیں آتے۔

آج صبح شعبۂ سیرت پشاور یونیورسٹی کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز، شیخ زاید اسلامک سنٹر کے ڈائریکٹر ڈاکٹر دوست محمد خان اور دونوں اداروں کے فیکلٹی ممبرز کے درمیان ''موجودہ مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان سے جو مکالمہ ہوا اس میں یہ طے پایا کہ جامعۂ پشاور کے پروفیسرز حضرات کے درمیان وطنِ عزیز کے مسائل کے بارے میں مکالمہ وگفتگو اور پھر حاصل گفتگو کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام کی آگاہی اور اہل اقتدار کی توجہ کی حصول کے لئے عام کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ بھی طے پایا کہ جامعہ کی سطح پر یہ مکالمہ جتنا ہمہ گیر اور وسعت اختیار کرے گا اتنا ہی ملک وقوم کے لئے افادے اور استفادے کا باعث بنے گا۔

آج کی نشست کے لئے جو موضوع منتخب کیا گیا تھا، وہ ''وطنِ عزیز میں امن کے قیام کے لئے اقدامات'' تھا۔ اس موضوع پر حاضرین مجلس نے ہر پہلو سے سیر حاصل بحث کی جس میں ''امن کی تعریف، ضرورت، امن کے خراب ہونے کے اسباب، امن کو خراب کرنے والے عناصر، امن کے عدم موجودگی کے معاشرے اور ملکی معاملات پر اثرات، امن کے قیام کے لئے اقدامات، پرامن معاشرے اور قیامِ امن کے ملک وقوم پر اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور سماجی اثرات اور ان ذیلی موضوعات کے ساتھ اور بہت سارے پہلوؤں پر پرمغز گفتگو، سوال وجواب، بحث وتمحیص، جرح وتنقید، کھلے ذہن اور ہمدردانہ غور وفکر کے ساتھ علمی انداز میں ہوئی۔ اس مجلس کا نچوڑ اس انداز میں سامنے آیا کہ امن کا قیام حکومتِ وقت کا فرضِ اولین ضرور ہے لیکن یہ اہم کام عوام کی بھرپور شرکت کے بغیر ناممکن ہے لہٰذا عوام کو ملکی معاملات اور امن کے قیام میں شراکت اور ذمہ داری کا یقینی اور ٹھوس احساس دلانا

حکومتِ وقت کا فرض ہے۔ بامعنی مکالمہ، جرگہ، عفوودرگزر، معافی دینا اور معافی طلب کرنا، معاشرے کے ناراض، گلہ مند، محروم، استحصال کے شکار، مظلوم اور اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے حکومت کی رٹ کو چیلنج کرتے ہوئے اور امنِ وطن کے لئے خطرات پیدا کرنے والوں کو ابنائے وطن اور اپنے جسم کا ناگزیر اور زخمی حصہ سمجھ کر حکمت، محبت اور دلسوزی کے ساتھ مرہم اور پیار رکھتے ہوئے اپنے ساتھ ملانا ہوگا۔ اس کے بغیر امن کے بارے میں سوچا تو جاسکتا ہے لیکن امن کو قائم نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی زیرِ بحث آئی کہ اگر امریکہ اور یورپ یا کہیں اور کے لوگ ہمارے مخصوص خطوں اور اقوام وقبائل کے بارے میں صحیح بات نہیں جانتے اور غلط فہمیوں اور تعصّبات کے تحت ان کے ساتھ غلط رویہ اور سلوک روا رکھے ہوئے ہیں تو ان سے اتنا گلہ پیدا نہیں ہوتا جتنا اپنے لوگوں اپنی حکومتوں اور مقتدر طبقات سے اس بناء پر پیدا ہوتا ہے کہ آخر آپ لوگوں کو تو ہمارے قبائل کے بارے میں پوری معلومات ہونی چاہئیں۔ آپ لوگوں تو ان کی تاریخ، نفسیات اور اقتدار کی مطابق معاملات طے کرنے چاہئیں تاکہ جو نقصان ہو چکا وہ تو ہو چکا البتہ آگے کے لئے حالات کو بدترین سطح پر پہنچنے سے پہلے روکنے کے لئے سارے ضروری اقدامات کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ہمارے فاٹا (FATA) کے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کے لئے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے اور میرے خیال میں فاٹا کے امور کے ماہرین سے یہ بات پوشیدہ بھی نہیں کہ فاٹا کے قبائل سچے، کھرے اور سیدھے سادھے (Straight Forward) مسلمان اور پاکستانی ہیں۔ سنگلاخ اور فلک بوس پہاڑوں میں صدیوں سے رہائش پذیر ہونے کی بناء پر سخت جفاکش اور بہادر ہیں۔ فطری طور پر جنگجو ہونے کے باوجود خواہ مخواہ دنگا فساد نہیں کرتے اور جنگ جھگڑا پسند کرتے نہیں کرتے۔ لیکن صدیوں سے ان کی تاریخ دنیا کی اقوام کے سامنے ہے کہ جب کسی نے ان قبائل کو بے جا اور بلا ضرورت چھیڑا ہے یا ان کو جان و مالی نقصان پہنچانے یا ان کو غلام بنانے کی کوشش کی ہے تو انہوں نے کبھی نہ تو اپنے دشمن کو اس کی اجازت دی ہے اور نہ اپنے دشمن سے انتقام لینے کو بھولتے ہیں۔ ان قبائل کی معاشیات کا انحصار تجارت اور ذرائع نقل وحمل (Transportation) پر ہے۔ لہٰذا جب ان کے ان ذرائع کو مسدود کرنے یا انمیں خلل میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ قبائل پھر متبادل ذرائع اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور پھر بعض اوقات ایسے معاملات میں قانون شکنی کی نوبت بھی آجاتی ہے، میں یہ بات بغیر کسی تردد کے کہہ سکتا ہوں کہ اگر قبائل کو ان کی

روایات کو مدّ نظر رکھ کر برتا گیا تو خوشگوار نتائج ہاتھ آئیں گے ورنہ معاملات کے مزید الجھنے کے خدشات اپنی جگہ پر موجود رہیں گے۔

ملک میں امن کے قیام کے بعد سارے معاملات خود بخود سلجھاؤ کی طرف چل پڑیں گے۔امن کے قیام سے ملک میں معاشی پہیہ گھومنے لگے گا جس کے نتیجے میں گردش زر ہوگا اور لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم ہوں گے۔روزگار سے لوگوں کو روٹی کپڑا مکان میسر آئے گا اور اس کے نتیجے میں اطمینان اور چین کی لہریں دوڑیں گی ملک مضبوط ہوگا۔لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہو جائیں گے۔

نبی ﷺ کی بعثت کے فوراً بعد لوگوں نے امن اور خوراک کے فقدان کی شکایت کی۔آپؐ نے لوگوں کو بہت جلد ان دونوں بنیادی چیزوں کی فراہمی کی یقین دہانی فرمائی۔دنیا نے دیکھا کہ بہت جلد وہ عرب جہاں گھر سے آدمی سفر کے لئے نکلتا تو اپنے پیاروں سے آخری ملاقات جیسی الوداع کر کے ہی نکلتا تھا، امن وسکون کے وہ زم زمے بہنے لگے جس سے اپنے پرائے سب سیراب ہونے لگے۔سرکارِ دوعالم ﷺ نے جو مقدس اور حیات بخش نظام اپنی امت کی لئے چھوڑا اسی کے طفیل خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ مبارک میں یمن کے شہر صنعاء سے وہ بزرگ خاتون اپنے اونٹ پر اپنے زیورات کے ساتھ اکیلے حج کے لئے منیٰ پہنچ گئی۔مدینہ طیبہ کی فلاحی ریاست میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا۔سب زکوٰۃ دینے والے صاحب نصاب لوگ تھے۔یہ سب کچھ جس عمل کے نتیجے میں ہوا وہ عمل یہ تھا کہ ’’پس اس گھر کے رب کی عبادت کیجئے جس نے تمہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے امن دیا‘‘۔

کیا ہم اس گھر [بیت اللہ شریف] کے رب کی عبادت کے لئے سچے دل سے جناب رسول اللہ ﷺ کے مبارک نقشِ قدم کے مطابق تیار ہیں۔اگر ہم اس کے لئے تیار ہو گئے اور ہمیں ضرور تیار ہونا چاہئے تو ہمارے سارے مسائل، سارے دلدّر بہت جلد دور ہو جائیں گے۔انسانیت کے سارے مسائل کے حل کے لئے اس سے بڑھ کر نسخۂ شفاء واکسیر کوئی ہے ہی نہیں۔مریض شخص اگر اپنی بیماری کا علاج نسخہ کی دستیابی کے باوجود نہیں کرنا چاہتا اور اپنی بیماری کو طویل تر اور پیچیدہ بنانے پر تلا ہوا ہو تو اس کو اگر خودکشی سے تعبیر نہ کیا جائے تو اسے کیا کہئے گا؟

☆......☆......☆

حقوق و فرائض، عوام اور حکمرانی

خاتم النبیین ﷺ کی منور تعلیمات اور اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں جو معاشرہ مدینۃ المنورہ میں تشکیل پایا، اُس کی اہم اور بنیادی خصوصیات بنی نوع انسان کو اُس کے فرائض اور حقوق سے آگاہ کرنا تھا۔ آپؐ سے پہلے جتنے معاشرے اور تہذیبیں موجود تھیں، اُن میں سے کوئی بھی عام انسان کو اُس کے بنیادی حقوق دینے سے قاصر رہا تھا۔ دُنیا میں ہر جگہ ایک فساد اور بگاڑ برپا تھا۔ حضرت نوحؑ سے لیکر حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت صالحؑ، اور حضرت موسیٰؑ تک سارے انبیاء کی جو اقوام یعنی قوم عاد، ثمود، نمرود، اور فرعون سب کے سب انسانیت کیلئے خود ساختہ خدا بن بیٹھے تھے۔ لہٰذا ہر اُس انسان کو جو اُن کی اصلاح کی بات کرتا تھا، یا بنی نوع انسان کی حقوق کی بات کرتا تھا، اُسے قابل گردن زدنی سمجھ کر کہیں میں ڈالا جاتا تھا، کہیں پھانسی پر چڑھانے کی کوشش ہوتی تھی اور کہیں ملک بدر اور جلاوطنی کی سزائیں سنائی جاتی تھیں۔ اِن حالات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا کہ ترجمہ "اور بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا، انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے" یعنی انسان کے اپنے اعمال کے نتیجے میں دُنیا میں ایسا فساد و بگاڑ پیدا ہوا جس کی وجہ سے حضرت انسان اپنی بنیادی اور انسانی حقوق سے محروم ہوا۔

انسانی معاشروں کو فرائض و حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے ایک خود کارانہ نظام دینے کیلئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جناب خاتم النبیین ﷺ کو اِس دُنیا میں بھیجا۔ آپؐ نے اپنی حیات مبارکہ کے ایک ایک عملِ مبارک کے ذریعے وہ نظام [اسوۂ حسنہ] قائم فرما کر دُنیا کو دکھا کر اور پھر مستند دستاویز کے طور پر قرآن و سنت کی صورت میں چھوڑ کر فرمایا کہ "جب تک تم اِن دو چیزوں یعنی قرآن و سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو گے، کبھی بھی راہِ راست نہ ہٹو گے۔"

خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور ہائے مبارکؑ میں اِن ہی دو چیزوں [قران و سنت] پر عمل کر کے وہ اسلامی فلاحی ریاست و معاشرہ قائم کیا جس میں جہاں ہر انسان کو عدل و مساوات کی بنیاد پر بنیادی انسانی ضروریات حاصل تھیں، یعنی روٹی کپڑا مکان، تو دوسری طرف جان مال آبرو کی حفاظت سے بے غم تھا۔ خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں وصیت کر رہے ہیں کہ مجھے میرے انہی کپڑوں میں

دفنا دو اور کفن کا نیا کپڑا کسی ضرورت مند کو دیدو۔ گویا خلیفۂ وقت عوام کے کپڑوں کا غم لیکر اِس دُنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ مبارک تو مشہور ہی انسانی حقوق کی ترویج و اشاعت کیلئے، اپنے کندھوں پر بدو کیلئے اُس کے خیمہ میں کھانے پینے کی چیزیں پہنچانا اور اپنی گھر والی [خاتونِ اوّل] کو بدّو کی بیوی کی زچگی کی تیمارداری کیلئے ساتھ لے جانا، وہ حکمران کر سکتا ہے جن کو بنیادی انسانی حقوق کا شعور حاصل ہو۔ یہاں تک کہ جانوروں اور پرندوں تک کے حقوق کا خیال رکھا جائے گا۔ دریائے فرات کے کنارے بھوکے کتے کی ذمہ داری بھی خلیفۂ وقت کے کندھوں پر پڑی۔ وہ مغرب جو کبھی اندھیروں میں پڑا ہوا تھا، اِن ہی مقدس تعلیمات کی روشنی سے روشن ہو کر آج جگمگ جگمگ کرتا ایک دُنیا کو مسحور کئے ہوئے ہے اور وہاں عمر زلاز (Omar's Laws) کے نام سے عوامی حقوق کا تعین و تحفظ کیا جا رہا ہے۔

اسلام میں تو انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے یہاں تک بات کی گئی ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو برے نام اور القاب سے بھی نہیں پکارے گا ورنہ یہ قابل سزا حرکت ہو گی۔ اِس طرح یہ ہر انسان کی عزت و آبرو کی حفاظت کی وہ ضمانت ہے جو اور کہیں نہ پہلے موجود تھا اور نہ آج کہیں موجود ہے۔ اِس سلسلے میں اسلامی تعلیمات اِس حد تک حساس ہیں کہ وہ بچہ جو ابھی دُنیا میں آنے کا منتظر ہے لیکن اُس کا باپ اِس دُنیا سے چلا گیا تو اِس باپ کی وراثت کی تقسیم تب ہو گی جب متوقع بچہ دُنیا میں تشریف لے آئے گا۔ یہاں تک کہ اگر وہ نومولود پیدائش کے فوراً بعد وفات پا جائے تب بھی اپنے والد کی وراثت میں حصّہ پائے گا، لیکن اگر مردہ پیدا ہو جائے تو اُس کا حصہ نہیں لگے گا۔

آج یورپ میں انسانی حقوق اور جانوروں کے تحفظ و حقوق کا بڑا غلغلہ برپا ہے، لیکن کتنے لوگوں کو معلوم ہے کہ جنیوا کنونشن میں جنگ و امن کے دوران انسانی حقوق کی دستاویز جناب خاتم النبیین ﷺ کی خطبۂ حجۃ الوداع کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ ورنہ اِس سے پہلے تو یورپ میں پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیر دی گئی تھیں۔ اب جبکہ دُنیا بالخصوص یورپ اور امریکہ میں بہت ساری تنظیمیں اور این جی اوز اور حکومتیں اور اقوام متحدہ، ریڈ کراس اور جنیوا کنونشن کی دستاویزات اور قراردادوں میں انسانی حقوق کا ذکر بہت خوشنما الفاظ میں بیان کیا گیا ہے لیکن دُنیا میں کہیں بھی عملی طور پر اس کا اظہار موجود نہیں۔

سرد جنگ کے زمانہ میں امریکہ اور سوویٹ یونین کے درمیان محاذ آرائیں نے بنی نوع انسان کو جو دکھ اور

اذیتیں ملیں وہ نا قابلِ بیان ہیں اور اس کے علاوہ لاکھوں بلکہ کروڑں لوگ ان کی خرمستیوں کے درمیان کچل کر رہ گئے۔ پھر ۱۹۹۰ء کے بعد اکیلے طور پر سپر پاور بننے کے بعد تو آج دُنیا میں وہ اودھم مچی ہوئی ہے جس میں دور دور تک انسانی حقوق کے نام سے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ورنہ امریکہ اور یو۔ کے کی جیلوں میں سینکڑوں ہزاروں لوگ ایسے کیوں پڑے سڑ رہے ہوتے، جن پر مقدمہ چلا ہی نہیں اور جن پر چلا لیا ہے یعنی ڈاکٹر عافیہ صدیقی وغیرہ، اُس سلسلے میں ایک دُنیا انگشت بدنداں ہے کہ انصاف اِسی کا نام ہے تو پھر دُنیا رو پیٹ کر صبر کرے کہ آخر منصفی کس سے چاہیں؟

خیر، وہ تو ہے ہی سپر پاور۔ لہٰذا کس کی مجال اور بساط ہے کہ اُس سے پوچھے کہ " کہ تم ہی کہو کہ یہ اندازِ منصفی " کیا ہے، لیکن کم از کم ہم اپنے ہاں تو قرآن وحدیث کی روشنی میں خوف خدا اور خوفِ آخرت کر کے اپنے بھائی بندوں کو اور نہ سہی تعلیم اور صحت اور کم از کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ "بادشاہ" سلامت جب کہیں اپنے ایوانوں، قلعوں اور محلوں سے نکلیں تو اُن کا نکلنا پہلے سے مہنگائی، بے روزگاری اور ضروریاتِ زندگی کے ہاتھوں ستائی ہوئی قوم کو گھنٹوں سڑکوں پر روکے نہ رکھیں تاکہ کم از کم وہ لوگ تو متاثر بلکہ ہلکان نہ ہوں جو ہسپتال کی طرف اِس اُمید پر جا رہے ہوتے ہیں کہ شاید زندگی کی بازی جیت جائیں یا کم از کم وہ ماں بروقت ہسپتال پہنچ سکیں جو ایک نئی زندگی کو جنم دینے کی امید پر کسی رکشہ ٹیکسی میں بیٹھ کر نکلی ہو۔

خلق خدا کو اِن اذیتوں سے بچانے کیلئے ہمارے حکمرانوں کو سوچنا چاہیے کہ آخر وہ کون سے اصول تھے جن پر عمل پیرا ہو کر خلفائے راشدینؓ اور بعض دیگر مسلمان حکمران کسی "ہٹو بچو" اور ہوشیار! وغیرہ کے نعروں کے بغیر عوام کے سامنے آتے تھے اور عوام میں سے ہو کر گزر جاتے تھے۔ شاید اُنہوں نے خلقِ خدا کو اُن کے بنیادی حقوق بغیر کسی جلسے جلوس، احتجاج یا ہڑتال کے دئے تھے۔ قیصر روم کے سفیر نے حضرت عمر فاروقؓ کو ایک پتھر پر سر رکھ کر سوتے دیکھا تو کہا، " کہ لوگوں کو آرام [حقوق] دیا ہے اِس لئے خود بھی آرام سے سو رہا ہے۔"

☆......☆......☆

خون پھر خون ہے

انسانی معاشروں میں جب بھی انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات بھلادی گئیں تو سب سے زیادہ خطرہ انسانی جان کو لاحق ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات رحمان ورحیم ہے۔ انسان کی کوتاہیوں، خامیوں اور عجولت سے درگزر فرماتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء اپنے اپنے زمانے میں اس وقت بھیجے گئے جب انسان کو آسمانی ہدایت کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک زمانہ اس قدر سکڑا نہیں تھا لہٰذا مختلف اقوام اور علاقوں کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام اللہ کے حکم سے تشریف لاتے رہے اور انسانیت کو آپس میں لہولہان اور خوار وزبوں ہونے سے بچاتے رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ بڑا مختصر اور ان کا اثر اُس زمانے میں بہت محدود رہا۔ آپؑ کے تقریباً چھ صدیوں بعد جب انسانی معاشروں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ انسان کو سب سے بڑا خطرہ انسان سے درپیش ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین جناب محمد ﷺ کو انسانی مسائل کے کافی وشافی حل کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا جس عذاب سے دوچار تھی اس کا اندازہ قرآن کریم کی اس آیت سے لگایا جاسکتا ہے کہ [ترجمہ] ''خشکی اور تری میں انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے فساد برپا ہو گیا''۔ فساد ہر اس بگاڑ کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کے خلاف ہو۔ اس زمانے کی بگاڑ کی حالت یہ تھی کہ جب کوئی آدمی گھر سے باہر نکلتا تو اسے یہ یقین نہ ہوتا تھا کہ وہ واپس صحیح سلامت گھر آئے گا۔ امنِ عامہ کی اس مخدوش حالت کے باوجود اس زمانے میں بھی جب خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ [۳۶۰] بت رکھے ہوئے تھے، جب بھی کوئی اہلِ حرم کہیں ایسی صورت حال میں پھنستا جہاں اس کی جان کو خطرہ ہوتا تو وہ فوراً ''أَنَا حَرَمِیٌّ'' یعنی میں اہلِ حرم میں سے ہوں، کہہ کر اپنی جان بچالیتا۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کو جو تقدس، حرمت اور احترام حاصل ہے اس کے طفیل ہر زمانے میں نہ صرف انسانی جانوں بلکہ جانوروں تک کو بھی تحفظ حاصل ہے۔

نبی ﷺ کی بعثت کے بعد انسانیت دو بڑے مسائل سے دوچار تھی۔ پہلا مسئلہ انسان کے لئے قحط اور جنگوں کی وجہ سے کافی خوراک کی عدم دستیابی تھی اور دوسرا امن عامہ اور انسان کی سلامتی کا مسئلہ درپیش تھا۔ ان دو مسائل کے حل کے لئے آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے جو ہدایت نازل ہوئی وہ بہت قابل غور ہے۔ خوراک

کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے آپؐ نے لوگوں کو یہ نہیں فرمایا کہ آؤ ہم سب مل کر زراعت و کاشتکاری کو ترقی دیں تا کہ بہت سارا اناج پیدا کر کے اس مسئلے کو حل کریں۔ امن عامہ کے لئے بھی آپؐ نے نہ تو پولیس فورس بنانے کی بات کی اور نہ امن کمیٹیاں بنانے پر زور دیا۔ بلکہ ان مسائل کے حل کے لئے ہدایت ربانی یہ آئی کہ ''اس گھر [خانہ کعبہ] کے رب کی عبادت کریں''۔ ایک دنیا نے دیکھا کہ مکہ و مدینہ کی اسلامی ریاست میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہر نعمت حیات کی فراوانی فراہم کی بلکہ ہر طرف امن و سلامتی کی چادر تن گئی۔ کسی جابر سے جابر اور قاہر سے قاہر انسان یا حکومت کو یہ جرأت نہ تھی کہ اسلامی ریاست کی حدود میں کسی پر ہاتھ اٹھاتے۔ اگر کسی نے حدود سے تجاوز کیا بھی ہے تو اسے قرار واقعی سزا ملی ہے۔

حرم پاک کے پروردگار کی عبادت سے انسانیت کو آرام و سکون اور امن و سلامتی کا انعام ملتا ہے۔ حرم پاک کے رب کی عبادت کے ذریعے حاصل کردہ امن و آشتی صرف اسلامی معاشرے کی پہچان ہوتی ہے بلکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے ہاتھوں ہر انسان کی جان مال اور آبرو محفوظ رہنے کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ ہم آج بھی اگر سچے دل سے خانہ کعبہ کے رب کی عبادت کا تہیہ کر لیں تو میں حلف پر کہنے کو تیار ہوں کہ ہمارے آج کے یہ گھمبیر مسائل بہت خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہو جائیں گے۔

رزق حلال و فرواں کے حصول اور امن و سلامتی کے پیغام کے رب العالمین کے پاک گھر کے ارد گرد ہونا پڑے گا۔ اس مقدس ترین گھر کی برکت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت سے لے کر جب حضرت ہاجرہؓ اور معصوم اسماعیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے اسی گھر کے وادی غیر ذی ذرع میں بسنے کے لئے تشریف لائے تو یہ بات سوچنے کی ہے کہ ان کو اس بے آب و گیاہ وطن میں امن و سلامتی کیسے حاصل رہی اور خوراک کہاں سے آتی رہی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا آج کے مسلمانوں کے لئے بھی جاری و ساری ہے کہ مکہ المکرّمہ میں دنیا بھر کی نعمتیں سمٹ کر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ سعودی عرب میں پٹرول کے چشمے اور اس کے فیوض بھی اسی دعا کے ثمرات ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا اثر پوری مسلمان امت کے لئے اس لحاظ سے محسوس کیا جاسکتا ہے کہ آج خلیجی مما لک میں لاکھوں لوگ اپنا رزق کما رہے ہیں۔ سعودی عرب میں بعض معاملات میں اسلامی قوانین کے نفاذ سے وہاں امن و سلامتی کی جو خوشگوار صورتحال ہے اس کا بھی ایک جہاں معترف ہے۔ لہٰذا آج کے معاملات کو نبھانے، سنوارنے اور سدھارنے کے لئے حرم پاک اور روضۂ

رسول ﷺ کی طرف بھرپور اور دردِ دل کے ساتھ متوجہ ہونا مسلمانوں کی بقاء کے لئے بہت ضروری ہے۔

رب کعبہ کی عبادت کی ابتداء حکمرانوں اور اہل اقتدار سے اگر ہو جائے تو پورے اسلامی معاشرے کے فرد فرد اور چھوٹے بڑے کو یہ پیغام جائے گا کہ اب ہمارے حکمران واقعی ہمارے مسائل حل کرنے میں سنجیدہ ہیں۔ مسلمان امت پر بہترین حکمرانی کے لئے اس سے بہتر اور کارگر نسخہ اور کوئی ہے ہی نہیں کہ ان کے رہنما، قیادت یا لیڈر حضرات صادق اور امین ہوں۔ ہماری سیاسی قیادت میں کسی کے دل میں اگر یہ آرزو اور خواہش ہے کہ وہ پاکستان بھر میں مقبول ترین ہو اور عوام کے دلوں سے اس کے لئے دعائیں نکلیں تو ان کو اپنے معمولات اور معاملات عوام کی سطح پر لانے ہوں گے۔ انہیں عوام کو بہت واضح اور شفاف انداز میں اس بات کا یقین دلانا ہوگا کہ ہم آپ میں سے ہیں۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا، جینا مرنا سب آپ کے ساتھ ہوگا۔ تو مجھے یقین واثق ہے کہ ایسے لیڈروں پر عوام بیچارے اپنی جانیں واری نیاری کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہیں گے۔ ایسے طرز عمل کے نتیجے میں قیادت اور عوام کے درمیان دل کے رشتے استوار ہوں گے۔ قیادت عوام کے لئے اور عوام قیادت کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت نہ اس کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتی ہے نہ ان کی جانوں کی حفاظت کے لئے بکتر بند اور بلٹ پروف گاڑیوں اور جیکٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

سیاست کا اصل مقصد اور نچوڑ خدمت خلق ہے۔ قوم کا سردار قوم کا خادم بن جائے تو عوام ان کی حفاظت کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں۔ پاکستانی عوام بیچاری تو اس کے باوجود اپنے رہنماؤں سے محبت اور عقیدت کے تعلقات رکھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے ارب پتی قائدین ورہنماؤں کے ساتھ اتنی ساری محبتوں، عقیدتوں اور بلکہ بعض اوقات تو عملاً ان پر قربان ہونے والوں کے گھروں میں یتیم بچوں کو بھی کسی قائد نے اپنے بیش بہا وسائل سے تعلیم و نان کی ضمانت فراہم نہیں کی۔ عوام کے دلوں پر حکومت کرنے کے لئے عوام کے چھوٹے چھوٹے مسائل ترجیحی بنیادوں پر حل کرنے ہوتے ہیں۔ عوام پر جب کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ اپنے رہنماؤں کو آزمائش و مصیبت کی سخت گھڑیوں میں اپنے اندر اور اپنے ساتھ پاتے اور دیکھتے ہیں تو ان میں حوصلہ اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن عوام کے درمیان تو وہ لیڈر جانے کی جرأت کر سکتے ہیں جو عوام کے ساتھ دانتوں کاٹے روٹی شیئر کرتے ہیں۔ یہاں تو عوام کو اپنے پیسوں پر چینی اور آٹا جیسی ضرورت کی چیزیں نہیں ملتیں۔

آج پاکستان میں بے گناہ غریب اور معصوم عوام ایک طرف زندگی کی بنیادی ضروریات کے لئے ترس رہے ہیں دوسری طرف انہیں لوگوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ جس پر ہر صاحب اولاد اور صاحب احساس وضمیر کا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انسان کا خون بہت مقدس ہے۔ اس کے سرخ رنگ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی تاثیر رکھی ہے کہ اس کے بہانے والے کبھی بھی اپنی پرامن زندگی نہیں گزار سکیں گے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی بغیر حق کے اس انسان کا خون بہا رہا ہے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ اور پھر وہ آرام سے بھی رہے اور امن بھی رہے۔ بے گناہ لوگوں کے خون بہانے والے ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔ خون میں بذات خود اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت وتاثیر رکھی ہے کہ تاتاری جیسے ظالم بھی آخر تھک ہار کر رک گئے۔ آج بھی گناہوں کے خون بہانے والوں کا وہی انجام ہوگا جو قادر مطلق نے تاریخ میں ہر اس شخص کا کیا ہے جس نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کے ساتھ کہ مکافات عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا، ہمارے اہل اقتدار کا بھی فرض ہے کہ ان پرآشوب حالات میں عام روٹین سے ہٹ کر بہترین انداز حکمرانی کے ذریعے اور غریب عوام کی عام ضروریات کی تکمیل کے لئے دن رات ایک کریں کہ یہی امن وسلامتی لانے اور حکمران اور عوام کے شیر وشکر اور متحد ہونے کا لاجواب نسخہ ہے۔ ورنہ یاد رکھیں کہ خون پھر خون ہے جہاں کہیں بہتا ہے، اس کے اثرات معاشروں کے لئے زہر قاتل سے کم نہیں ہوتے۔

☆......☆......☆

مصلحت، بے غیرتی نہیں

پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ خانوادۂ باچا خان مرحوم کو پختونوں کے وطن میں انتخابی اکثریت ملی ہے۔ اس گھرانے کی سیاست کے ساتھ مختلف مکاتبِ فکر کے لوگوں کو اختلاف رائے ہوسکتا ہے۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پارٹی کے اکثریتی ارکان اپنی بات اور دھن کے پکے ہیں۔ یہ بات بھی کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ انگریز کے دور میں بھی اور پھر پاکستان کے مختلف ادوار اور بالخصوص بھٹو صاحب کے دور میں اسی جماعت کے ارکان بہت زیادہ ابتلاء اور آزمائشوں سے گزرے ہیں۔حیدرآباد ٹریبونل اور وارسک ٹارچر ہاؤس اے این پی کی تاریخ میں نہ بھلانے والی یادیں ہیں لیکن بڑے لوگوں کی پہچان یہ ہے کہ ملک اور قوم کو جب ضرورت پڑتی ہے تو وہ اپنی ذات سے بہت اوپر اٹھ کر فیصلے کرتے ہیں۔لہذا آج یہ اسفندیار ولی خان صاحب کی عظمت کا امتحان ہے کہ وہ ملک وقوم کی خاطر نواز لیگ اور پی پی کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہوکر ملک وقوم کو درپیش مسائل کے حل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرنے کے لئے پیش قدمی کریں۔

باچا خان مرحوم کا گھرانہ ہرلحاظ سے تب ہندوستان اور اب پاکستان میں ملک گیر سطح کی سیاست کا اہل رہا ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض مخصوص حالات کی بناء پر یہ جماعت صوبائی سیاست میں زیادہ مشغول رہی ہے۔اب جبکہ پاکستان بہت نازک حالات میں گھرا ہوا ہے، یہ بہت ہی خوش آئند بات ہے کہ اے این پی پوری دلجمعی اور بلند عزائم کی ساتھ قومی معاملات کو سلجھانے کے لئے ایک اہم کردار ادا کرنے کے لئے تیار کھڑی ہے۔

اسفندیار ولی خان صاحب جس انداز سے پاکستان اور صوبہ سرحد کے بنیادی مسائل کو مخاطب (Address) کررہے ہیں، اس سے امید بندھتی ہے کہ ان شاءاللہ پاکستانی سیاست کا اونٹ صحیح کروٹ پر بیٹھے گا۔

اسفندریار ولی خان صاحب کا یہ مؤقف بہت قابل قدر ہے جو انہوں نے پچھلے دنوں اسلام آباد میں پی پی اور مسلم لیگ [ن] کے عہدیداروں کے ساتھ حکومت سازی کے لئے صلاح مشورہ کے دوران میں اختیار کیا۔آپ نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ پاکستان کے نازک حالات کو سنوارنے اور گھمبیر وپیچیدہ مسائل کے حل کرنے کے لئے ہر قسم کی مصلحت اختیار کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن بے غیرتی قطعاً قبول نہیں۔ سچ پوچھیں تو خان صاحب نے وہ بات کہدی ہے جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔

حدیث مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ بے غیرت آدمی کی بخشش نہیں ہوتی۔ اسلام میں صحیح اور راست مؤقف اختیار کرنے کے لئے غیرت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں ہمارے زیادہ تر کرتاؤں دھرتاؤں'' نے غیرت وحمیت کو جنسِ ارزاں بنا کر بہت کم اہمیت دی، ''جس کے نتیجے میں ہم نے کراچی کی بندرگاہ سے پیلی مکئی کی بوریاں جب اونٹ گاڑیوں پر لادیں تو اونٹوں کے گلوں میں ''شکریہ امریکہ'' کی تختیاں بھی آویزاں تھیں۔ اسی قسم کے معاملات میں ہم ۲۰۰۷ء تک پہنچے تو عزتِ سادات سے بھی محروم ہوگئے۔ آج پختونوں پر خدا کی وسیع زمین تنگ کی جارہی ہے۔ خواتین، چھوٹے بچوں، شادی بیاہ کی تقریبات، مساجد اور گھروں میں محو استراحت افراد پر گولیاں اور میزائل برستے ہیں، تو اتنا بھی کوئی نہیں جو یہ تو کہہ سکے کہ ''اب کے تو مار۔۔۔'' پھر ذرا دیکھ۔

شاید اے این پی حکومت کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ (Issue) بھی یہی ہوگا۔ اس گنجلک مسئلے کو حل کرنے کے لئے اسفندیار ولی خان صاحب نے مذاکرات [جرگہ] اور ''واک'' کا طریقہ استعمال کرنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ اس بات کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے کیونکہ اس جادو اثر تالے کو کھولنے کی چابی مذاکرات [جرگہ] [محبت] کے سوا کوئی نہیں ہوسکتی۔

صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں میں لوگوں کے خلاف گذشتہ سات برسوں کے دوران میں جو کچھ ہوتا رہاہے، اس سے ایک دنیا واقف ہے۔ لہذا اسفندیار ولی خان ایک مدبر سیاستدان کی حیثیت سے ان معاملات سے بہت ہی زیادہ واقف ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اے این پی اپنی ساری صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ عزمِ صمیم کر کے عوامی تائید ومشورے کے ساتھ اس اہم مسئلے کو حل کرنے کے لئے جرگہ کے پلیٹ فارم سے آگے بڑھتے ہوئے ماضیٔ قریب کے واقعات، کوٹٹولنے، ان کا گہرا تجزیہ کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کے لئے ایک وسیع البنیاد (Broad Based) مجلس شوری (Think Tank) ضرور بنائے تاکہ ٹھوکر کھانے سے محفوظ رہ سکے۔ کیونکہ پختون قوم مزید ٹھوکریں [تیندکونہ] کھانے کی متحمل ہی نہیں ہوسکتی۔ مجھے معلوم ہے کہ اسفندیار ولی خان صاحب پختون قوم کی محبت میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے لیکن مصلحت اختیار کرنے کے مواقع آئیں تو ضرور فائدہ اٹھائیں کیونکہ نبیٔ پاک ﷺ کو اللہ سبحانہ وتعالی نے یہی راہ دکھائی تھی کہ ''وَالصُّلْحُ خَيْرٌ'' صلح [مصلحت] ہی بہتر ہے۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ

مصلحت اور بے غیرتی میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے اور غیور افراد اور قومیں ہمیشہ اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھتی ہیں، بقول اقبال۔

غیرت ہے بڑی چیز اس جہانِ تگ ودو میں

نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ سے روشنی حاصل کرتے ہوئے صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں میں برپا صورتحال کا حل بہت شائستگی کے ساتھ ممکن ہے۔ وہاں پر جو پاکستانی ہیں ان کو اپنے جسم کا حصہ سمجھ کر ملائیں کہ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ حدیث مبارکہ بھی رہنما اصول بن سکتی ہے کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظالم کے حوالے کرتا ہے"۔

اے این پی حکومت قبائلی علاقہ جات میں برسرپیکار لوگوں کے بارے میں اگر ان تعلیمات مقدسہ سے استفادہ کرے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ مسئلے کے حل میں ناقابل یقین پیش رفت ہوسکتی ہے۔ قبائلی علاقہ جات میں باہر کے ممالک سے آئے ہوئے لوگ خود نہیں آئے ہیں بلکہ ان لوگوں کو دنیا بھر کے اسلامی ممالک سے ایک بہت ہی مسحور کن جذبے کے تحت کھینچ کر لایا گیا تھا۔ ان کے بھی والدین، بھائی بہن، بیویاں اور بچے ہیں اور وہ بہت تباہ کن حالات سے دوچار رہے ہیں اور شاید آج بھی ہوں۔ لہذا ان کے ساتھ اسی جذبے سے اگر بات کی جائے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ اپنے اپنے ملک واپس نہ چلے جائیں بشرطیکہ جان کی امان پائیں اور اس سلسلے میں ان کی مقتدر شخصیات سے بات کی جائے۔ اور شاید اسی کا نام مصلحت، غیرت جرگہ اور وقت کا تقاضہ ہے۔ اللہ کرے کہ ہماری یہ نئی حکومت پاکستان کے مسائل ہمیشہ کے لئے حل کرنے میں کامیاب ہو اور اسفندیار ولی خان صاحب کے ساتھ ہم کروڑوں پاکستانیوں کی یہ خواہش پوری ہو کہ پاکستان میں رول آف لاء ہو۔ صحیح جمہوریت ہو اور آزاد عدلیہ ہو۔ [آمین]

☆......☆......☆